4617CH11

عیدگاہ

رمضان کے پورے تیس روزوں کے بعد عید آئی۔ کتنی سُہانی اور رنگین صبح ہے۔ درختوں پر کچھ عجیب ہریالی ہے۔ کھیتوں میں کچھ عجیب رَونق ہے۔ آسمان پر کچھ رنگینی ہے۔ آج سورج دیکھو کتنا پیارا ہے، کتنا ٹھنڈا ہے گویا دنیا کو عید کی مُبارک باد دے رہا ہے۔ گاؤں میں کتنی چہل پہل ہے۔ عیدگاہ جانے کی دھوم ہے۔ کسی کے کُرتے میں بٹن نہیں ہیں، تو وہ پڑوس کے گھر سے سُوئی تاگا لینے جارہا ہے۔ کسی کے جوتے سخت ہوگئے ہیں، وہ انھیں تیل اور پانی سے نرم کر رہا ہے۔ کوئی جلدی سے بیلوں کو سانی پانی دے رہا ہے۔ عیدگاہ سے لوٹتے لوٹتے دوپہر ہو جائے گی۔ لڑکے سب سے زیادہ خوش ہیں۔ کسی نے ایک روزہ رکھا، وہ بھی دوپہر تک؛ کسی نے وہ بھی نہیں؛ لیکن عیدگاہ جانے کی خوشی ان ہی کا حصّہ ہے۔ روزے بڑے بوڑھوں کے لیے ہوں گے۔ بچّوں کے لیے تو عید ہے۔ سویّوں کے لیے گھر میں دودھ، شکر اور میوے ہیں کہ نہیں اُن کی بَلا سے۔ اُن کی اپنی جیبوں میں تو قارون کا خزانہ رکھا ہوا ہے۔ بار بار جیب سے اپنا خزانہ نکال کر گنتے ہیں، دوستوں کو دکھاتے ہیں اور خوش ہو کر رکھ لیتے ہیں۔ اِن ہی دو چار پیسوں میں دنیا کی ساری نعمتیں لائیں گے۔ کھلونے، مٹھائیاں اور بِگل اور خدا جانے کیا کیا۔ اور سب سے زیادہ خوش ہے حامد۔ وہ چار سال کا غریب صُورت بچّہ ہے۔ جس کا باپ پچھلے سال ہیضے کی نذر ہوگیا اور ماں نہ جانے کیوں زرد ہوتے ہوتے ایک دن مرگئی۔ اب حامد اپنی بوُڑھی دادی امینہ کی گود میں سوتا ہے — اور اتنا ہی خوش ہے۔ اُس کے ابّا جان روپے کمانے گئے ہیں، بہت سی تھیلیاں لے کر آئیں گے۔ امّی جان اللہ میاں کے گھر اُس کے لیے بڑی اچھّی اچھّی چیزیں لینے گئی ہیں۔ اِسی لیے حامد خوش ہے۔ اُمید تو بہت بڑی چیز ہے۔ حامد کے پاؤں میں جوتے نہیں ہیں۔ سر پر ایک پُرانی دُھرانی ٹوپی ہے، جس کا گوٹا سیاہ ہوگیا ہے۔ پھر بھی وہ خوش ہے۔ جب اُس کے ابّا جان تھیلیاں اور امّی جان نعمتیں لے کر آئیں گی، تب وہ دل کے ارمان نکالے گا۔

بدنصیب امینہ اپنی کوٹھری میں بیٹھی رو رہی ہے۔ آج عید کا دن ہے۔ اور اس کے گھر میں دانہ نہیں ہے۔ کس نے بُلایا تھا اِس نگوڑی عید کو؟ اس گھر میں اِس کا کام نہیں، لیکن حامد — اُسے کسی کے مرنے جینے سے کیا مطلب! اُس کے

اندر روشنی ہے، باہر امید — !

حامد اندر جا کر دادی سے کہتا ہے۔ ''تم ڈرنا نہیں امّاں، میں گاؤں والوں کا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔ میں سب سے پہلے آؤں گا۔ بالکل نہ ڈرنا۔''

لیکن امینہ کا دل نہیں مانتا۔ گاؤں کے بچّے اپنے اپنے باپ کے ساتھ جا رہے ہیں۔ حامد کیا اکیلا ہی جائے گا؟ اِس بھیڑ بھاڑ میں کہیں کھو جائے تو کیا ہو، نہیں امینہ اُسے تنہا نہ جانے دے گی۔ ننّھی سی جان، پاؤں میں چھالے نہ پڑ جائیں — ! مگر وہ چلی جائے تو یہاں سوّیاں کون پکائے گا؟ بھوکا پیاسا دوپہر کو لوٹے گا۔ کیا اُس وقت سوّیاں پکانے بیٹھے گی؟ رونا تو یہ ہے کہ امینہ کے پاس پیسے بھی نہیں۔ اُس نے فہیمن کے کپڑے سیے تھے۔ آٹھ پیسے ملے تھے۔ اِس اُٹھنّی کو ایمان کی طرح بچاتی چلی آئی تھی۔ اِس عید کے لیے۔ لیکن کل گوالن سر پر سوار ہوگئی، تو کیا کرتی — ! حامد کے لیے کچھ نہیں ہے تو دو پیسے کا دودھ تو چاہیے ہی، اب تو کُل دو آنے بچ رہے ہیں۔ تین پیسے حامد کی جیب میں اور پانچ پیسے امینہ کے بٹوے میں — ! یہی تو بِساط ہے اور عید کا تیوہار۔ اللہ ہی بیڑا پار لگائے۔

گاؤں سے میلا چلا اور بچّوں کے ساتھ حامد بھی جا رہا تھا۔ کبھی سب کے سب دوڑ کر آگے نکل جاتے، پھر کسی درخت کے نیچے کھڑے ہو کر ساتھ والوں کا اِنتظار کرتے۔

شہر کا علاقہ شروع ہو گیا۔ سڑک کے دونوں طرف امیروں کے باغ ہیں۔ بڑی بڑی عمارتیں آنے لگیں۔ یہ

عدالت ہے، یہ کالج ہے، یہ کلب گھر ہے، آگے چلے۔ حلوائیوں کی دکانیں شروع ہوئیں — آج خوب سجی ہوئی تھیں۔

یہ پولیس لائن ہے۔ یہاں پولیس والے پریڈ کرتے ہیں — رائٹ، لِپ، پھام، پھو! رات کو بے چارے گھوم گھوم کر پہرا دیتے ہیں، نہیں تو چوریاں ہو جائیں۔

اب بستی گھنی ہونے لگی۔ عید گاہ جانے والوں کی ٹولیاں نظر آنے لگیں۔ ایک سے ایک زرق برق پوشاک پہنے ہوئے۔ کوئی تانگے پر سوار، کوئی موٹر پر۔ سبھی عطر میں بسے، سبھی کے دلوں میں اُمنگ — گاؤں والوں کا یہ چھوٹا سا گروہ اپنے آپ میں مگن، چاروں طرف سے بے خبر، اطمینان سے چلا جا رہا تھا۔

اچانک عید گاہ نظر آئی۔ اوپر اِملی کے درختوں کا سایہ ہے۔ نیچے کھُلا ہوا پُختہ فرش ہے، جس پر جازم بچھی ہوئی ہے۔ اور نمازیوں کی قطاریں ایک کے پیچھے پیچھے دوسری، نہ جانے کہاں تک چلی گئی ہیں۔ پُختہ فرش کے نیچے تک، جہاں جازم بھی نہیں، کئی قطاریں کھڑی ہیں۔ جو آتے ہیں پیچھے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آگے اب جگہ نہیں ہے۔ یہاں کوئی رتبہ کوئی عہدہ نہیں دیکھا جاتا۔ اسلام کی نگاہ میں سب برابر ہیں۔ دیہاتیوں نے بھی وضو کیا اور جماعت میں شامل ہو گئے۔ کتنی باقاعدہ مُنظّم جماعت ہے! لاکھوں آدمی ایک ساتھ جُھکتے ہیں اور ایک ساتھ بیٹھ جاتے ہیں۔ اور یہ عمل بار بار ہوتا ہے — ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا بجلی کی لاکھوں بتیاں ایک ساتھ روشن ہو جائیں اور ایک ساتھ بُجھ جائیں اور یہی سلسلہ چلتا رہا۔ کوئی ایسی کشش ہے، جس نے سب کو ایک لڑی میں پِرو دیا ہے۔

نماز ختم ہو گئی ہے لوگ ایک دوسرے سے گلے مل رہے ہیں۔ پھر مٹھائی اور کھلونوں کی دُکانوں پر دھاوا ہوتا ہے — ہمارے دیہاتیوں کا یہ گروہ اِس معاملے میں بچّوں سے کم پُرجوش نہیں ہے — یہ دیکھو ہِنڈولا ہے۔ ایک پیسہ دے کر چڑھ جاؤ، کبھی آسمان پر جاتے معلوم ہو گے کبھی زمین پر گرتے۔ ایک پیسہ دے کر بیٹھ جاؤ اور پچیس چکروں کا مزہ لو۔ محمود اور مُحسن، نور اور سمیع اُن گھوڑوں اور اونٹوں پر بیٹھے ہیں۔ حامد دُور کھڑا ہے تین ہی پیسے تو اس کے پاس ہیں۔ ذرا سا چکّر کھانے کے لیے اپنے خزانے کا ایک تہائی نہیں دے سکتا۔

سب اُترتے ہیں۔ اب کھلونے لیں گے۔ ادھر دُکانوں کی قطاریں لگی ہوئی ہیں۔ طرح طرح کے کھلونے ہیں — سپاہی، گجریا، راجا اور وکیل، دھوبن، بہشتی اور سادھو۔

واہ کتنے خوب صورت کھلونے ہیں! اور بولا ہی چاہتے ہیں۔ محمود سپاہی لیتا ہے خاکی وردی اور لال پگڑی۔ کندھے پر بندوق۔ معلوم ہوتا ہے ابھی قواعد کے لیے چلا آ رہا ہے۔ مُحسن کو بہشتی پسند آیا، کمر جھکی ہوئی ہے۔ اُس پر مشک

رکھے ہوئے ہے۔ مشک کا منھ ایک ہاتھ سے پکڑے ہوئے ہے۔ کتنا خوش ہے۔ شاید گیت گا رہا ہے۔ مشک سے پانی انڈیلا ہی چاہتا ہے۔ نورے کو وکیل سے پریم ہے۔ کیسی ذہانت ہے اُس کے منھ پر۔ کالا چُغہ پہنے نیچے سفید اچکن کی جیب میں سنہری زنجیر۔ ایک ہاتھ میں قانون کی کتاب لیے ہوئے ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی کسی عدالت سے جرح یا بحث کر کے چلے آ رہے ہیں۔ یہ سب دو دو پیسے کے ہیں مگر حامد دو پیسے کا ایک کھلونا لے لے تو پھر اور کیا لے گا — ''نہیں کھلونے فضول سے ہیں۔ کہیں ہاتھ سے چھوٹ پڑیں تو چُور چُور ہو جائیں۔ ذرا سا پانی پڑ جائے تو سارا رنگ دُھل جائے۔ اِن کھلونوں کو لے کر وہ کیا کرے گا۔ کس مَصرف کے ہیں؟''

مُحسن کہتا ہے۔ ''میرا بہشتی روز پانی دینے جائے گا، صبح و شام۔''

سمیع : ''اور میری دھوبن روز کپڑے دھوئے گی۔''

حامد کھلونوں کی برائی کرتا ہے۔ ''مٹّی کے تو ہیں، گریں تو چکنا چُور ہو جائیں۔'' لیکن ہر چیز کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ ذرا دیر کے لیے انھیں ہاتھ میں لے کر دیکھے۔ اُس کے ہاتھ بے ساختہ بڑھتے ہیں۔ لیکن لڑکے اتنے فیّاض نہیں ہوتے — خاص کر جب نیا خون ہو۔ حامد للچا تا رہ جاتا ہے۔

کھلونوں کے بعد اب مٹھائی کا نمبر آیا۔ کسی نے ریوڑیاں لی ہیں، کسی نے گُلاب جامن کسی نے سوہن حلوہ — مزے سے کھا رہے ہیں۔ حامد اُن کی برادری سے خارج ہے — کم بخت کی جیب میں تین پیسے تو ہیں۔ کیوں نہیں

کچھ لے کر کھاتا۔ لالچی نظروں سے سب کی طرف دیکھتا ہے۔

مُحسن نے کہا۔ ''حامد! یہ ریوڑی لے جا کتنی خوشبودار ہیں؟''

حامد کو شُبہ ہوا کہ یہ محض شرارت ہے۔ مُحسن اتنا فیاض طبع نہیں ہے۔ لیکن یہ جان کر پھر بھی اس کے پاس گیا۔ مُحسن دونے سے ایک ریوڑی نکال کر حامد کی طرف بڑھاتا ہے۔ حامد ہاتھ پھیلاتا ہے۔ مُحسن ریوڑی اپنے منھ میں رکھ لیتا ہے — محمؤد، نورے، سمیع خوب تالیاں بجا بجا کر ہنستے ہیں۔ حامد کھسیانا ہو جاتا ہے۔

مُحسن : ''اچھا اب ضرور دیں گے، حامد! اللہ قسم — لے جا!''

حامد : ''رکھے رہو کیا میرے پاس پیسے نہیں ہیں؟''

سمیع : ''تین ہی پیسے تو ہیں کیا کیا لو گے؟''

محمود : ''ہم سے گلاب جامن لے جاؤ حامد! مُحسن شریر ہے۔''

حامد : ''مٹھائی کون بڑی نعمت ہے۔ کتاب میں اُس کی برائیاں لکھی ہیں۔''

مُحسن : ''لیکن جی میں کہہ رہے ہوگے کہ کچھ مل جائے تو کھالیں۔ اپنے پیسے کیوں نہیں نکالتے —؟''

محمود : ''میں اِس کی ہوشیاری سمجھتا ہوں۔ جب ہمارے سارے پیسے خرچ ہو جائیں گے، تب یہ مٹھائی لے گا اور ہمیں چڑا چڑا کر کھائے گا —''

حلوائیوں کی دکانوں کے آگے کچھ دُکانیں لوہے کی چیزوں کی تھیں — لڑکوں کے لیے یہاں دلچسپی کا کوئی سامان نہیں تھا۔ حامد لوہے کی دُکان پر رُک جاتا ہے۔ دست پناہ رکھے ہوئے تھے — وہ دست پناہ خریدے گا۔ دادی کے پاس دست پناہ نہیں ہے۔ توے سے روٹیاں اُتارتی ہیں تو ہاتھ جل جاتا ہے۔ اگر وہ دادی کو دست پناہ لے کر دے دے تو وہ کتنی خوش ہوں گی۔ پھر ان کی انگلیاں کبھی نہ جلیں گی — گھر میں ایک کام کی چیز آ جائے گی۔ کھلونوں سے کیا فائدہ؟ مفت میں پیسے خراب ہوتے ہیں۔ ذرا ہی دیر کو تو خوشی ہوتی ہے۔ پھر تو اُنھیں کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ وہ گھر پہنچتے پہنچتے ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جاتے ہیں یا چھوٹے بچّے جو عید گاہ نہیں جا سکتے ہیں، ضدّ کر کے لے لیں گے اور توڑ ڈالیں گے۔ دست پناہ کتنے فائدے کی چیز ہے! روٹیاں توے سے اُتارو، چولھے سے آگ نکال کر دے دو۔ دادی کو کہاں فُرصت ہے بازار جائیں اور اتنے پیسے کہاں ملتے ہیں۔ روز ہاتھ جلا لیتی ہیں۔

حامد کے ساتھی آگے بڑھ گئے ہیں۔ کتنے خودغرض اور لالچی ہیں۔ سب نے اتنی مٹھائیاں لیں۔ کسی نے مجھے ایک بھی نہ دی۔ اس پر کہتے ہیں کہ میرے ساتھ کھیلو۔ میری تختی دھولاؤ۔ اب اگر میاں مُحسن نے کسی کام کو کہا تو خبر لوں گا۔ کھائیں مٹھائی، آپ منھ سڑے گا، پھوڑے پھنسیاں نکلیں گی۔ آپ ہی چٹوری زبان ہوجائے گی۔ تب پیسے گھر سے چرائیں گے اور مار کھائیں گے۔ کتاب میں جھوٹی باتیں تھوڑی لکھی ہیں۔ میری زبان کیوں خراب ہوگی — اُس نے پھر سوچا۔ ددای دست پناہ دیکھتے ہی دوڑ کر میرے ہاتھ سے لے لیں گی۔ اور کہیں گی کہ میرا بچّہ امّاں کے لیے دست پناہ لایا ہے۔ ہزاروں دعائیں دیں گی۔ اِن لوگوں کے کھلونوں پر انھیں کون دعا دے گا۔ بزرگوں کی دعائیں سیدھی خدا کی بارگاہ میں پہنچتی ہے اور فوراً قبول ہوتی ہیں۔

دُکان دار نے اُس کی طرف دیکھا اور ساتھ کوئی آدمی نہ دیکھ کر بولا :

''تمھارے کام کا نہیں جی!''

''بکاؤ ہے کہ نہیں؟''

''بکاؤ کیوں نہیں ہے اور یہاں کیوں لاد کر لائے ہیں؟''

''تو بتاتے کیوں نہیں۔ کے پیسے کا دوگے؟''

''چھ پیسے لیں گے۔''
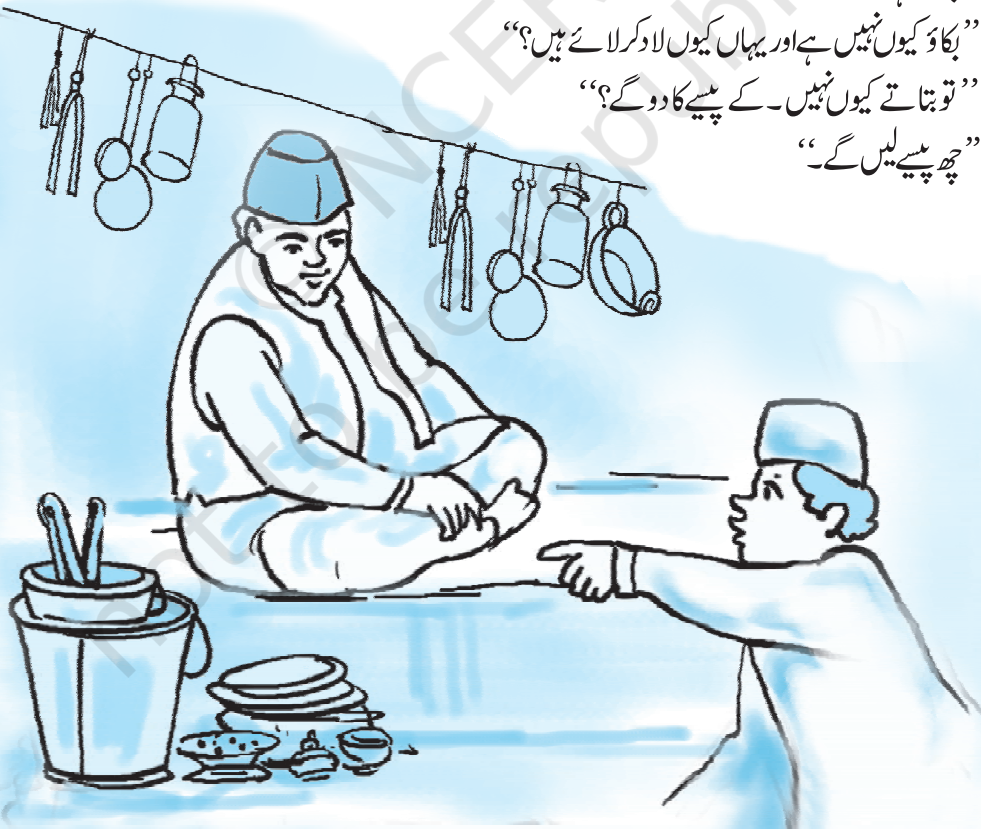
''ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔''

''ٹھیک پانچ پیسے لیں گے۔ لینا ہو تو لو۔''

حامد کا دل بیٹھ گیا۔ حامد نے کلیجہ مضبوط کر کے کہا، ''تین پیسے لو گے؟'' یہ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا کہ دُکان دار کی گھڑکیاں نہ سُنے ۔ مگر دُکان دار نے گھُڑکیاں نہ دیں۔ بُلا کر دست پناہ دے دیا اور پیسے لے لیے۔

حامد نے دست پناہ کندھے پر رکھ لیا، گویا بندوق ہے اور شان سے اکڑتا ہوا اپنے دوستوں کے پاس آیا۔

مُحسن نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''یہ دست پناہ لایا ہے۔ احمق اِس کا کیا کرے گا؟''

حامد نے دست پناہ زمین پر پٹک کر کہا۔ ''ذرا اپنا بہشتی زمین پر گرا کر دیکھو۔ ساری ملیاں چور چور ہو جائیں گی بچّا کی۔''

محمود : ''تو یہ دست پناہ کوئی کھلونا ہے؟''

حامد : ''کھلونا کیوں نہیں ہے۔ ابھی کندھے پر رکھّا بندوق ہو گیا۔ ہاتھ میں لے لیا تو فقیر کا چمٹا ہو گیا۔ چاہوں تو اِس سے تمھاری ناک پکڑ لوں، چاہوں تو اِس سے چھُرے کا کام بھی لے سکتا ہوں۔ ایک چمٹا جما دوں تو تمھارے سارے کھلونوں کی جان نکل جائے۔ تمھارے کھلونے چاہے کتنا ہی زور لگائیں اس کا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ میرا بہادر شیر ہے یہ دست پناہ!''

سمیع متاثر ہو کر بولا — ''میری خنجری سے بدلو گے، دو آنے کی ہے۔''

حامد نے خنجری کی طرف حقارت دیکھ کر کہا — ''میرا دست پناہ چاہے تو تمھاری خنجری کا پیٹ پھاڑ ڈالے۔ بس ایک چمڑے کی جھلّی لگا دی، ڈھب ڈھب بولنے لگی — ذرا سا پانی لگے تو ختم ہو جائے — میرا دست پناہ آگ میں، پانی میں، آندھی میں، طوفان میں برابر ڈٹا کھڑا رہے گا۔''

اب دو فریق ہو گئے۔ محمود، مُحسن اور نورے ایک طرف۔ حامد، یکّا و تنہا، دوسری طرف۔ سمیع غیر جانب دار ہے، جس کی فتح دیکھے گا، اُس کی طرف ہو جائے گا۔ لیکن مُحسن محمود اور نورے دو دو سال بڑے ہونے پر بھی حامد کے حملوں سے پریشان ہو رہے تھے۔ اُس کے پاس انصاف کی قوّت تھی۔ ایک طرف مٹّی ہے دوسری طرف لوہا جو اِس وقت اپنے آپ کو فولاد کہہ رہا ہے۔

مُحسن نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر کہا۔ '' اچھا پانی تو نہیں بھر سکتا۔''

حامد نے دست پناہ کو سیدھا کر کے کہا۔ '' یہ بہشتی کو ایک ڈانٹ بتائے گا تو وہ دوڑتا ہوا پانی لے کر آئے گا اور اُس کے دروازے پر چھڑکنے لگے گا۔''

مُحسن کا ناطقہ بند ہوگیا — محمود نے کُمک پہنچائی۔ '' بچّا گرفتار ہو جائیں تو عدالت میں بندھے بندھے پھریں گے تب تو وکیل صاحب کے پیروں پڑیں گے۔''

حامداس وار کا جواب نہ دے سکا۔ اُس نے پوچھا۔ '' اُسے پکڑنے کون آئے گا؟''

نورے نے کہا۔ '' یہ سپاہی بندوق والا۔''

حامد نے منھ چڑا کر کہا۔ '' یہ بے چارے اِس رستم ہند کو پکڑیں گے؟ اچھا لاؤ ابھی ذرا مقابلہ ہو جائے۔ اس کی صورت دیکھتے ہی بچّا کی ماں مر جائے گی ۔ پکڑیں گے کیا بچارے؟''

مُحسن نے تازہ دم ہو کر وار کیا — '' تمھارے دست پناہ کا منھ روز آگ میں جلے گا۔''

حامد کے پاس جواب تیار تھا — '' آگ میں بہادر کودتے ہیں جناب! تمھارے یہ وکیل صاحب اور سپاہی اور بہشتی ڈرپوک ہیں۔ سب گھر میں گھُس جائیں گے۔ آگ میں کودنا وہ کام ہے جو رُستم ہی کر سکتا ہے۔''

محمود نے ایک پھر زور لگایا— '' تمھارا دست پناہ باورچی خانے میں زمین پر پڑا رہے گا۔ اور وکیل صاحب کرسی پر بیٹھیں گے۔''

حامد سے جواب نہ پڑا تو اُس نے دھاندلی شروع کی۔ میرا دست پناہ باورچی خانے میں زمین پر نہیں پڑا رہے گا۔ وکیل صاحب کرسی پر بیٹھیں گی تو جا کر اُنھیں زمین پر پٹک دے گا اور سارا قانون اُن کے پیٹ میں ڈال دے گا۔''

اس کے جواب میں بالکل جان نہ تھی، بالکل بے تُکی سی بات۔ لیکن قانون پیٹ میں ڈالنے والی بات چھا گئی۔ ایسی چھا گئی کہ تینوں سوٗرما منھ تکتے رہ گئے۔ حامد نے میدان جیت لیا۔ اس کا دست پناہ رُستم ہند ہے اِس میں کسی کو بھی چوں و چرا کی گنجائش نہیں۔

مُحسن نے کہا۔ '' ذرا اپنا چمٹا دو۔ ہم بھی دیکھیں۔ تم چاہو تو ہمارا بہشتی لے کر دیکھو۔'' محمود اور نورے نے بھی اپنے

اپنے کھلونے پیش کیے۔ حامد کو کوئی اعتراض نہیں۔ دست پناہ باری باری محمود، مُحسن اور سمیع کے ہاتھ میں گیا اور اُن کے کھلونے باری باری سے حامد کے ہاتھ میں آئے۔

حامد نے ہارنے والے کے آنسو پونچھے۔ ''میں تمھیں چِڑا رہا تھا، سچ یہ چمٹا کھلونوں کی کیا برابری کرے گا۔''

لیکن مُحسن کی پارٹی پر اس دلاسے کا کوئی اثر نہ ہوا۔ چمٹے کا سکّہ خوب بیٹھ گیا۔

مُحسن : ''لیکن اِن کھلونوں کے لیے کوئی ہمیں دُعا تو نہ دے گا۔''

محمود: ''دعا کے لیے پھرتے ہو، اُلٹے مار نہ پڑے۔ امّاں ضرور کہیں گی کہ میلے میں یہی مٹّی کے کھلونے ملے۔''

حامد کی یہ بات ماننی پڑی کہ کھلونوں کو دیکھ کر کسی کی ماں اتنی خوش نہ ہوگی، جتنی حامد کی دادی چمٹے کو دیکھ کر خوش ہوں گی۔

راستے میں محمؤد کو بھوک لگی۔ اس کے باپ نے کیلے کھانے کو دیے۔ محمود نے صرف حامد کو ساجھی بنایا۔ اس کے دوسرے یار منھ تکتے رہ گئے۔ یہ اسی چمٹے کی کرامت تھی۔

گیارہ بجے سارے گاؤں میں چہل پہل ہوگئی۔ میلے والے آ گئے۔ مُحسن کی چھوٹی بہن نے دوڑ کر بہشتی کو اُس کے ہاتھ سے لے لیا اور مارے خوشی کے جو اُچھلی تو میاں بہشتی نیچے آ رہے۔ اس پر بھائی بہن میں مار پیٹ ہوئی۔ دونوں خُوب خُوب روئے۔ اُن کی امّاں جان یہ کُہرام سن کر اور بگڑیں۔ دونوں کو اُوپر سے دو دو چانٹے رسید کیے— میاں نورے کے وکیل صاحب کا حشر اِس سے بھی بدتر ہوا۔ وکیل زمین یا طاق پر تو بیٹھ نہیں سکتا۔ اُس کی پوزیشن کا تو خیال رکھنا ہی پڑے گا۔ دیوار میں دو کھونٹیاں گاڑی گئیں۔ اُن پر چیڑ کا پرانا پٹرا رکھا گیا— پٹرے پر کاغذ کا قالین بچھایا گیا۔ وکیل صاحب تخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ نورے پنکھا لے کر جھلنے لگا۔ معلوم نہیں پنکھے کی ہوا سے یا پنکھے کی چوٹ سے، وکیل صاحب نیچے آ رہے۔ پھر بڑے زور سے ماتم ہوا اور وکیل صاحب کی لاش گھورے پر پھینک دی گئی۔

اب رہے میاں محمود کے سپاہی۔ اُسے جھٹ پٹ گاؤں کا پہرا دینے کا چارج مل گیا لیکن پولیس کا سپاہی معمولی شخص تو نہیں، جو اپنے پیروں چلے۔ ایک ٹوکری آئی۔ اُس میں لال رنگ کے پھٹے پرانے کپڑے بچھا کر پالکی بنائی گئی۔ اُس میں سپاہی صاحب آرام سے لیٹے۔ محمود نے ٹوکری اٹھائی اور دروازے کا چکّر لگانے لگے۔ اُن کے دونوں چھوٹے بھائی ''چھونے والے جاگتے رہو۔'' پکارتے چلتے ہیں۔ مگر رات تو اندھیری ہونی چاہیے۔ محمود کو ٹھوکر

لگ جاتی ہے، ٹوکری اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑتی ہے اور میاں سپاہی بندوق لیے زمین پر آجاتے ہیں اور ان کی ایک ٹانگ بیکار ہو جاتی ہے۔

اب میاں حامد کا قصّہ سُنیے : امینہ اس کی آواز سنتے ہی دوڑی اور اُسے گود میں اٹھا کر پیار کرنے لگی۔ دفعتاً اس کے ہاتھ میں چمٹا دیکھ کر وہ چونک پڑی۔

''یہ دست پناہ کہاں ملا بیٹا؟''

''میں نے مول لیا ہے۔''

''کتنے پیسے میں؟''

''تین پیسے میں۔''

امینہ نے چھاتی پیٹ لی۔ یہ کیسا بے سمجھ لڑکا ہے کہ دو پہر ہوگئی، نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ لایا کیا۔ بس دست پناہ ——! سارے میلے میں تجھے اور چیز نہ ملی جو یہ لوہے کا چمٹا اٹھا لایا؟''

حامد نے خطاوار انداز میں کہا —— ''تمھاری انگلیاں توے سے جل جاتی تھیں اِس لیے میں نے یہ لے لیا۔''

بڑھیا کا غصّہ فوراً شفقت میں بدل گیا، اور شفقت بھی وہ نہیں جو بیان کی جاسکتی ہے اور اپنی ساری تاثیر لفظوں میں مُنتشر کر دیتی ہے۔ یہ نا قابلِ اظہار شفقت تھی، درد اور اِلتجا میں ڈوبی ہوئی۔ اُف! کتنی نفس کُشی ہے، کتنی جاں سوزی ہے۔ بچّے نے کتنا

ضبط کیا ہوگا۔ جب دوسرے لڑکے کھلونے لے رہے ہوں گے، مٹھائیاں کھا رہے ہوں گے، اُس کا دل کتنا للچایا ہوگا۔ اتنا ضبط اُس سے ہوا کیوں کر! وہاں بھی اپنی بوڑھی دادی کی یاد اُسے رہی۔ امینہ کا دل خوشی سے بھر گیا۔

اور تب ایک بڑی دلچسپ بات ہوئی۔ حامد کے چمٹے سے بھی عجیب۔ بچّے حامد نے تو بوڑھے حامد کا پارٹ ادا کیا تھا، بڑھیا امینہ بچّی بن گئی وہ رونے لگی۔ دامن پھیلا کر حامد کو دعائیں دیتی جاتی تھی اور آنکھوں سے آنسو گراتی جاتی تھی۔ حامد اِس کا راز کیا سمجھتا۔

پریم چند

معنی یاد کیجیے

عیدگاہ : وہ جگہ جہاں عید اور بقرعید کی نماز پڑھی جاتی ہے

زرق برق : چمک دار، بھڑکیلے

پوشاک : کپڑے، لباس

منظّم : ترتیب اور سلیقے کے ساتھ

عمل : کام

بے ساختہ : بلا جھجک، اچانک

خارج ہونا : نکل جانا

فیاض طبع : جس کی طبیعت میں سخاوت ہو، جسے دوسروں کو فیض پہنچانے کی عادت ہو

کُمک : مدد

وار	:	حملہ
حشر	:	انجام
گھورا	:	کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ
منتشر کرنا	:	بکھیرنا
نا قابلِ اظہار	:	جو ظاہر کرنے کے قابل نہ ہو
التجا	:	درخواست
نفس کُشی	:	اپنی خواہشوں کو مارنا
جاں سوزی	:	جی جلانا، دل مارنا
دست پناہ	:	چِمٹا

سوچیے اور بتائیے

1. حامد کی عمر کیا تھی؟
2. عید کے دن حامد کی دادی کیوں رو رہی تھیں؟
3. محمود، مُحسن، نورے اور سمیع نے کون کون سے کھلونے خریدے؟
4. حامد نے دست پناہ کیوں خریدا؟
5. حامد کے دوست دست پناہ سے کیوں متاثر ہوئے؟
6. دوستوں کے کھلونوں کا کیا انجام ہوا؟
7. دادی کا غصّہ شفقت میں کیوں بدل گیا؟

خالی جگہ کو صحیح لفظ سے بھریے

1. رمضان کے پورے ——— روزوں کے بعد عید آئی ہے۔

2. ان کی جیبوں میں تو ——— رکھا ہوا ہے۔
3. انھیں دو چار پیسوں میں دنیا کی ساری ——— لائیں گے۔
4. امینہ کو ڈر تھا کہ اس ——— میں حامد کہیں کھو نہ جائے۔
5. نماز میں کسی کا رتبہ یا ——— نہیں دیکھا جاتا۔
6. کتنی باقاعدہ ——— جماعت ہے۔
7. گیارہ بجے سارے گاؤں میں ——— ہوگئی۔
8. اس کا دست پناہ ——— ہے۔

لکھیے

- آپ عید کا دن کیسے گزارتے ہیں؟
- آپ عیدی کس طرح خرچ کرتے ہیں؟

غور کرنے کی بات

- منشی پریم چند کی یہ کہانی گاؤں کی ایک سیدھی سادی غریب عورت امینہ اور اس کے یتیم پوتے حامد کے ایثار و محبت کی کہانی ہے۔ دادی اپنے پوتے کے لیے ایثار کرتی ہے اور پوتا دادی کی محبت میں اپنے ننھّے سے دل کی خواہشوں کو دبا کر دادی کے لیے چمٹا خرید لاتا ہے۔
- سب سے زیادہ خوش ہے حامد۔ وہ چار سال کا غریب صورت بچّہ ہے۔
- راستے میں محمود کو بھوک لگی۔ اس کے باپ نے کیلے کھانے کو دیے۔
- حامد اندر جا کر دادی سے کہتا ہے ''تم ڈرنا نہیں امّاں، میں گاؤں والوں کا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔''

پہلے جملے میں حامد اسم ہے اور لفظ ''وہ'' جو حامد کے لیے استعمال ہوا ہے، ضمیر ہے۔
دوسرے جملے میں محمود کے لیے ضمیر ''اس'' کا استعمال ہوا ہے۔
تیسرے جملے میں حامد کے لیے ''میں'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جو ضمیر ہے۔ اور دادی کے لیے ضمیر ''تم'' استعمال ہوا ہے۔